غیر واضح الدلالۃ الفاظ اور تفسیر قرآن

حافظ عبد اللہ*

یہ وہ الفاظ ہیں جن کی دلالت اپنے معنی پر مخفی ہو یعنی ظاہر نہ ہو اور کسی لفظ سے جو چیز مراد ہو اس کو وہ لفظ خود نہ بتلائے بلکہ یہ دلالت کسی خارجی امر پر موقوف ہو۔ جس طرح ظہورِ معنی کے مراتب کے اعتبار سے واضح الدلالۃ الفاظ کی چار اقسام ہیں اسی طرح معنی کے خفا کے مراتب کے اعتبار سے غیر واضح الدلالۃ الفاظ کی بھی چار اقسام ہیں۔ جس طرح ظہورِ معنی کی اقسام میں بعض، بعض سے اولیٰ ہیں اسی طرح ان کی مقابل قسموں میں خفا کے اعتبار سے بعض، بعض سے اقویٰ ہیں۔ خفا کے اعتبار سے چار اقسام یہ ہیں۔ 1۔ خفی 2۔ مشکل 3۔ مجمل 4۔ متشابہ

جس طرح ظہورِ معنی کے اعتبار سے الفاظ کا چار میں حصر ہے اسی طرح معنی کے خفا کے اعتبار سے بھی چار ہی میں حصر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر لفظ کے معنی خفی ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں اس کا خفا یا تو نفسِ صیغہ کی وجہ سے ہو گا یا کسی اور عارض کی وجہ سے۔ اگر معنی کا خفا کسی عارض کی وجہ سے ہے تو "خفی" ہے اور اگر نفسِ صیغہ کی وجہ سے ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ طلب و تامل سے اس کا ادراک ممکن ہو گا یا اس کا ادراک محض طلب و تامل سے ممکن نہیں ہو گا۔ طلب و تامل سے اس کا ادراک ممکن ہے تو وہ "مشکل" ہے اور اگر اس کا ادراک ممکن نہیں ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں متکلم کی جانب سے اس کی وضاحت کی توقع ہو گی یعنی نقل سے اس کی وضاحت ہو سکتی ہو گی یا متکلم یعنی شارع کی طرف سے اس کی وضاحت کی توقع نہیں ہو گی یعنی نقل سے اس کی وضاحت ممکن نہیں ہو گی۔ اگر نقل سے یعنی شارع کی جانب سے اس کی وضاحت کی توقع ہے تو وہ "مجمل" ہے اور اگر شارع کی جانب سے اس کی وضاحت کی توقع نہیں ہے تو وہ متشابہ ہے۔

علامہ یعقوب البنانی نے اس کو بڑے موجز انداز سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

"ان الخفا اما لنفس اللفظ أو لعارض فالثانی یسمی خفیا والاول اما أن یدرك المراد بالعقل اولا الاول یسمی مشکلا والثانی اما أن یدرك المراد منه بالنقل اولا الاول یسمی مجملا والثانی متشابها۔"(1)

"بیشک خفا یا تو نفسِ صیغہ کی وجہ سے ہو گا یا کسی اور عارض کی وجہ سے، پس دوسری صورت میں وہ خفی کہلائے گا اور اوّل صورت میں وہ دو حال سے خالی نہیں، تامل سے عقل کے ذریعے اس کا ادراک

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

ممکن ہو گا یا نہیں، اوّل صورت مشکل کہلائے گی اور ثانی (دوحال سے خالی نہیں) یا تو متکلم کے متوقع بیان سے مراد کا حصول ممکن ہو گا یا نہیں، پہلا مجمل اور دوسرا متشابہ کہلائے گا۔"

جس طرح واضح الدلالۃ الفاظ اصلِ ظہور کے متحقق ہونے کے بعد ظہور کے مراتب میں مختلف ہیں اسی طرح ان کے متقابلات یعنی غیر واضح الدلالۃ الفاظ اصل خفا کے ثابت ہونے کے بعد مراتب خفا میں متفاوت ہیں "خفی" میں ادنیٰ درجہ کا خفا ہوتا ہے اس لیے خفی اس "ظاہر" کا مقابل ہو گا جس میں ادنیٰ درجہ کا ظہور ہوتا ہے اور "مشکل" میں چونکہ "خفی" کی نسبت زیادہ خفا ہوتا ہے۔ اس لیے مشکل اس "نص" کا مقابل ہو گا جس میں "ظاہر" کی نسبت ظہور زیادہ ہوتا ہے۔ اور "مجمل" میں چونکہ "مشکل" کی نسبت زیادہ خفا ہوتا ہے اس لیے "مجمل" اس مفسر کا مقابل ہو گا جس میں "نص" کی نسبت زیادہ ظہور ہوتا ہے اور "متشابہ" میں چونکہ سب سے زیادہ خفا ہوتا ہے اس لیے متشابہ اس "محکم" کا مقابل ہے جس میں سب سے زیادہ ظہور ہوتا ہے اب ان میں ہر قسم پر علیحدہ علیحدہ بحث کی جائے گی۔

خفی:

غیر واضح الدلالۃ الفاظ میں سب سے پہلی "خفی" ہے۔ خفی وہ کلام ہے جس کی مراد ایسے عارض کی وجہ سے پوشیدہ ہو جو عارض صیغہ کے علاوہ کسی اور چیز سے پیدا ہوا ہو اور اس کی مراد طلب اور جستجو سے ہی حاصل ہو سکتی ہو۔

علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"فالخفی اسم لکل ما اشتبه معناه وخفی مراده بعارض غیر الصیغة لاینال الا بالطلب، وذلك ماخوذ من قولهم: اختفی فلان اذا استترفی مصره بحیلة من غیر تبدیل فی نفسه فصار لا یدرك الا بالطلب وذالك مثل النباش والطرار وهذا فی مقابلة الظاهر۔" (2)

"پس خفی ہر وہ کلام ہے جس کے معنی میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور اس کی مراد صیغہ کے علاوہ کسی اور عارض کی وجہ سے مخفی ہو اور اسے تلاش و جستجو کے بغیر معلوم نہ کیا جا سکتا ہو اور یہ ان کے قول "اختفی فلان" سے ماخوذ ہے یعنی وہ شخص جو اپنی ذات میں ردوبدل کیے بغیر کسی عارضی حیلہ کی بناء پر اپنے شہر میں چھپ گیا ہو۔ پس وہ ایسے ہو گیا کہ اس تک رسائی طلب و جستجو کے بغیر ممکن نہیں اور طرار (جیب کترے) اور نباش (کفن چور) کے اسماء کی مثل ہے یہ ظاہر کے مقابلہ میں ہے۔"

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"واما الخفی فهو اسم لما اشتبه معناه وخفی المراد منه بعارض فی الصیغة یمنع نیل المراد بها الا بالطلب، ماخوذ من قولهم: اختفی فلان استتر فی وطنه وصار بحیث لا یوقف علیه بعارض حیلة أحدثه الا بالمبالغة فی الطلب من غیر أن یبدل نفسه أو موضعه، وهو ضد الظاهر۔"(3)

"اور خفی ایسے کلام کا نام ہے جس کے معنی مشتبہ ہوں اور اس کی مراد صیغہ کے کسی ایسے عارض کی وجہ سے مخفی ہو کہ جو طلب و جستجو کے بغیر مراد کے حصول سے مانع ہو اور یہ (خفی) ان (اہل عرب) کے قول "اختفی فلان" سے ماخوذ ہے۔ جب کوئی شخص اپنے وطن میں چھپ گیا ہو اور وہ اپنے پیدا کردہ حیلہ عارضہ کے ذریعے ایسا ہو جائے کہ شدید طلب و جستجو کے بغیر اس تک رسائی ممکن نہ ہو سکے البتہ اس کا پوشیدہ ہونا اس کی اپنی ذات یا جگہ میں ردو بدل کے بغیر ہو اور خفی ظاہر کی ضد ہے۔"

دونوں ائمہ کی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ خفی وہ کلام ہے جس کے معنی مشتبہ اور اس کی مراد پوشیدہ ہو لیکن یہ خفا صیغہ کے علاوہ کسی اور عارض کی وجہ سے ہو۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص لباس اور ہیت بدلے بغیر کسی حیلہ سے شہر میں چھپ گیا ہو اور تلاش و جستجو کے بغیر اس کو معلوم نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس طرح خفی کی مراد سے بھی طلب و جستجو کے ذریعے ہی آگاہی ہو سکتی ہے اور چونکہ اس میں ادنی درجہ کا خفا ہے اور اس ادنی درجہ کے خفا پر خود مذکورہ مثال دلالت کر رہی ہے اس لیے اس کے مقابلہ میں ظاہر ہے جس میں سب سے کم ظہور پایا جاتا ہے۔ علامہ بزدویؒ کا قول "لاینال الا بالطلب" اور علامہ سرخسیؒ کا قول "یمنع نیل المراد بها الا بالطلب" خفا کی تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ کوئی خفا ایسا نہیں جس کو بغیر طلب کے حاصل کیا جا سکتا ہو۔

علامہ بزدویؒ کے قول "وذلك مثل النباش والطرار" کی شرح میں علامہ عبدالعزیز بخاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

"(وذلك) أی الخفی مثل الطرار والنباش تسامح لانهما لیسا بخفیین بل آیة السرقة خفیة فی حقهما، ولكن لما حصل المقصود وهو فهم المعنی لم یلتفت الشیخ الی جانب اللفظ، والاولی أن یقال: وذلك مثل آیة السرقة فی حق الطرار والنباش كما ذكر هو فی شرح التقویم وغیره فی تصانیفهم، ویجوز أن یكون ذلك اشارة الی العارض أی العارض الذی صارت الآیة خفیة بسببه مثل اسم الطرار والنباش ولكن فیه بعد۔"(4)

"یعنی (علامہ بزدویؒ کا یہ قول) "الخفی مثل الطرار والنباش" تسامح پر مبنی ہے اس لیے کہ ان دونوں الفاظ میں (بنفسہ) کوئی خفا نہیں ہے بلکہ آیتِ سرقہ ان کے حق میں مخفی ہے لیکن جب مقصود یعنی معنی کا فہم حاصل ہو گیا تو شیخ (علامہ بزدویؒ) نے لفظ کی جانب توجہ نہیں دی، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ یوں کہا جاتا

"وذلک مثل آیت السرقہ فی حق الطرار والنباش" جیسا کہ انہوں کے شرح تقویم اور اپنی دیگر تصانیف میں ذکر فرمایا ہے۔اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اشارہ ہو اس عارض کی طرف کہ جس سبب کی وجہ سے وہ آیت خفی ہوئی ہے جیسے طرار ونباش کا نام،لیکن اس توجیہہ میں بُعد ہے۔"

اسی طرح علامہ بزدویؒ کی عبارت میں "بعارض غیر الصیغۃ" کے الفاظ ہیں جبکہ علامہ سرخسیؒ کی عبارت میں "بعارض فی الصیغۃ" کے الفاظ ہیں دونوں کی توجیہہ و تطبیق علامہ عبد العزیز بخاریؒ کشف الاسرار میں اس طرح فرماتے ہیں:

"وذکر شمس الائمہ (بعارض فی الصیغۃ) مکان قول المصنف (بعارض غیر الصیغۃ) وعنی بہ أن الخفاء فی الصیغۃ وھو السارق مثلا بالعارض وھو ما ذکرنا لا أن یکون أصلہ خفیا فیکون موافقا لما ذکرہ الشیخ رحمھم اللہ ، وقیل المراد من الصیغۃ فی کلام المصنف نظم الآیۃ والمراد منھا فی کلام شمس الائمہ صیغۃ الطرار والنباش مثلا ولا اختلاف اذا بیین کلامھما ولکن الوجہ ھو الاول۔"(5)

"اور شمس الائمہ نے مصنف کے قول "بعارض غیر الصیغہ" کی جگہ "بعارض فی الصیغہ" کو ذکر کیا ہے اور ان کی اس سے مراد کہ خفا صیغہ میں ہوتا ہے وہی ہے جیسا کہ لفظ "السارق" میں خفا اس عارض کی وجہ ہے جس کی تفصیل ہم ذکر کر چکے،نہ کہ وہ(صیغہ)اپنی اصل میں خفی ہوتا ہے پس یہ شیخ کے ذکر کردہ کلام سے موافق ہو گیا،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مصنف کے کلام میں صیغہ سے مراد نظم کلام ہے اور شمس الائمہ کی عبارت میں اس سے مراد مثلاً طرار ونباش کا صیغہ ہے، تو تب ان دونوں کے کلام میں کوئی اختلاف نہ رہا لیکن پہلی توجیہ زیادہ مناسب ہے۔"

ڈاکٹر ادیب صالح علامہ دبوسیؒ اور علامہ بزدویؒ اور علامہ سرخسیؒ کی بیان کردہ تعریفات سے خفی کی تعریف اس طرح اخذ کرتے ہیں:

اللفظ الظاھر فی دلالتہ علی معناہ، ولکن عرض لہ من خارج صیغۃ ، ما جعل فی انطباقہ علی بعض افرادہ نوع غموض وخفا، لا یزول الا بالطلب والاجتھاد فیعتبر اللفظ خفیا بالنسبۃ الی ھذا البعض من الافراد۔(6)

ایسا لفظ جو اپنے معنی پر دلالت کرنے میں ظاہر ہو لیکن اسے خارج الصیغہ کوئی عارضہ لاحق ہو جائے جو(عارضہ)نوع کے بعض افراد پر اس(لفظ) کے انطباق کو مخفی بنا دے اوروہ خفا طلب اور اجتہاد کے بغیر زائل نہ ہو،پس ان بعض افراد کی طرف نسبت کرتے ہوئے لفظ کو خفی سمجھا جاتا ہے۔

خفی کا حکم:

علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"وحکمہ النظر فیہ لیعلم ان اختفاء ہ لمزیۃ او نقصان فیظھر المراد۔"(7)

"خفی میں اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفاء معنی کی زیادتی وجہ سے ہے یا نقصان کی وجہ سے۔پس اس سے کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی۔"

اور علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"ثم حکم الخفی اعتقاد الحقیقۃ فی المراد و وجوب الطلب الی أن یتبین المراد۔(8)

"پھر خفی کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کو حق جانتے ہوئے اس کا طلب کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ مراد بالکل واضح ہو جائے۔"

علامہ نسفیؒ اپنی عادت کے مطابق فخر الاسلام بزدویؒ کی اتباع میں خفی کا حکم "المنار" میں بیان فرماتے ہیں:

"وحکمہ: النظر فیہ لیعلم أن اختفاء ہ لمزیہ أو نقصان فیظھر المراد بہ۔"(9)

"اور خفی کا حکم: خفی میں اس حد تک غور وفکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفاء معنی میں اضافہ کی وجہ سے ہے یا نقصان کی وجہ سے پس اس سے کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی۔"

اور ملا جیونؒ شرح "نور الانوار علی المنار" میں اس کی شرح فرماتے ہیں:

"أی حکم الخفی النظر فیہ وھو الطلب الاول لیعلم أن اختفاء لاجل زیادۃ المعنی فیہ علی الظاھر، أو نقصانہ فیہ، فحینئذ یظھر المراد فیحکم فی الزیادۃ علی حسب ما یعلم من الظاھر ولا یحکم فی النقصان قط۔" (10)

"یعنی خفی کا حکم اس میں غوروفکر کرنا ہے اوریہ پہلی طلب ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا خفا اس وجہ سے ہے کہ اس میں ظاہر کی بہ نسبت زیادہ معنی ہیں یا کم معنی ہیں پس اس وقت کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی اور زیادتی کی صورت میں اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا جو ظاہر سے معلوم ہو گا اور نقصان کی صورت میں حکم نہیں لگایا جائے گا۔"

ڈاکٹر ادیب صالح "تفسیر النصوص" میں خفی کے حکم سے متعلق متقدمین اصولیین کی بحث اپنے الفاظ میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"فی ضوء ما تقدم ندرك أن حكم الخفي وجوب النظر، من بحث وتامل، ليعلم المجتهد ما اذا كان الغموض ناشئا عن مزية هى زيادة فى المعنى الذى كان اللفظ ظاهر الدلالة فيه أم لنقص فى هذا المعنى۔

فان كانت المزية زيادة فى المعنى عمل المجتهد بما أدى عليه اجتهاده من الحاق هذا الفرد بما ظهر المعنى فيه، فانطبق عليه وأخذ حكمه۔

وان كانت المزية نقصانا نشأ من اختصاص بعض الافراد باسم معين أو انضمام بعض الاوصاف اليه، حكم المجتهد بعدم الحاق هذا البعض بافراد اللفظ، وبأن حكمه لاينطبق عليه۔"(11)

حاصل یہ ہے کہ خفی کا حکم اس میں مجتہد کا اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفا معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہے یا معنی کے نقصان کی وجہ سے۔اس سے اس کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی پس اگر یہ خفا زیادتی معنی کی وجہ سے ہے تو اس پر وہی حکم لگایا جائے گا جو ظاہر سے معلوم ہو گا اور اگر یہ خفا نقصان معنی کی وجہ سے ہے تو ظاہر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کتب اصول میں آیت سرقہ سے "خفی" اور اس کے حکم کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ﴿والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما﴾ (12) چور کا ہاتھ کاٹنے کے واجب ہونے کے سلسلہ میں ظاہر ہے کیونکہ اس آیت سے چور کے ہاتھ کا کاٹا جانا بغیر تامل اور غور و فکر کے واضح ہو جاتا ہے لیکن یہ کلام طرار (جیب کترے) اور نباش (کفن چور) کے حق میں خفی ہے یعنی ان دونوں کے حق میں سارق کا حکم پوشیدہ ہے اور یہ خفا اور پوشیدگی ایسے عارض کی وجہ سے ہے جو عارض خود ان دونوں میں موجود ہے اور وہ عارض یہ ہے کہ اہل زبان ان دونوں کو سارق کے علاوہ دوسرے ناموں کے ساتھ خاص کرتے ہیں یعنی جیب کترے کو طرار اور کفن چور کو نباش کہتے ہیں۔ چنانچہ تامل اور غور و فکر سے یہ معلوم ہوا کہ جیب کترے کا دوسرے نام کے ساتھ مخصوص ہونا سرقہ کے معنی کے زائد ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ

سرقہ نام ہے مال محترم محفوظ کو چپکے سے لے لینا اور جیب کترا ایک گونہ غفلت اور سستی میں ڈال کر ایسے آدمی کا مال چوری کرتا ہے جو بیدار ہوتا ہے اور اپنے مال کی حفاظت کا قصد رکھتا ہے اور کفن چور کا دوسرے نام کے ساتھ مخصوص ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس میں سرقہ کے معنی کم ہیں کیونکہ یہ ایسے مردوں کا مال چوری کرتا ہے جو مال کی حفاظت کا ارادہ نہیں رکھتے پس دلالۃ النص کی رو سے زیادتی معنی کی وجہ سے طرار پر قطع ید کا حکم لگایا جاتا ہے اور نقصان معنی کی وجہ سے کفن چور کی طرف قطع ید کا حکم متعدی نہیں ہو گا۔(13)

مشکل:

غیر واضح الدلالۃ الفاظ میں دوسرا مرتبہ خفا کے اعتبار سے "مشکل" کا ہے۔ مشکل "نص" کے مقابلہ میں ہے جس طرح نص میں ظاہر سے زیادہ ظہور پایا جاتا ہے اسی طرح "مشکل" میں "خفی" سے زیادہ خفا ہوتا ہے۔

"مشکل" اشکل الشیء سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شئ اپنی ہم شکل اور ہم مثل چیزوں میں داخل ہو جائے۔ جیسے احرم اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حرم میں داخل ہو جائے اور اشتی اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص شتا (سردی کے موسم) میں داخل ہو جائے۔

اصطلاح میں مشکل وہ کلام ہے جس کی مراد طلب اور تامل کے بغیر حاصل نہ ہو سکتی ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشکل کے معنی مرادی دوسرے معنی کے ساتھ گھلے ملے ہوتے ہیں اس اشتباہِ معانی کی وجہ سے معانی مرادی کا پتہ لگانے کے لیے طلب اور تامل کی ضرورت ہوتی ہے۔

علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"ثم المشکل وھو الداخل فی اشکالہ وامثالہ مثل قولھم احرم ای دخل فی الحرم واشتی ای دخل فی الشتاء وھذا فوق الاول لاینال بالطلب بل بالتامل بعد الطلب لیتمیز عن اشکالہ وھذا الغموض فی المعنی او لاستعارۃ بدیعۃ وذلک یسمی غریبا مثل رجل اغترب عن وطنہ فاختلط باشکالہ من الناس فصار خفیا بمعنی زائد علی الاول۔"(14)

"پس مشکل وہ ہے جو اپنے ہم شکل و ہم مثل اشیاء میں داخل ہو جائے جیسے عربوں کا یہ قول "احرم" یعنی حرم میں داخل ہوا یا لفظ اشتی یعنی موسم سرما میں داخل ہوا یہ پہلے والے سے اوپر ہے، صرف طلب سے اس کی مراد حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ طلب کے بعد غور و فکر

تو اذیت لازمہ یعنی دبر کی طرف جانا تو بدرجہ اولی ممنوع ہے۔ پس بعد تامل معلوم ہوا کہ انّی بمعنی کیف ہے نہ کہ من أین۔

اور استعارہ بدیعہ کہ وجہ سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿قواریر من فضۃ﴾ ہے۔(19)

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ کشف الاسرار میں فرماتے ہیں:

"فالقواریر لا یکون من الفضۃ وما کان من الفضۃ لا یکون قواریر ولکن للفضۃ صفۃ کمال وھی نفاسۃ جوھرہ وبیاض لونہ وصفۃ نقعان وھی انھا لا تصفو ولا تشف وللقارورۃ صفۃ کمال أیضاً وھی الصفا و الشفیف وصفۃ نقصان وھی خساسۃ الجوھر فعرف بعد التامل أن المراد من کل واحد صفۃ کمالہ وأن معناہ أنھا مخلوقۃ من فضۃ وھی مع بیاض الفضۃ فی مقاء القواریر و شفیفھا۔ "(20)

"پس شیشے چاندی میں سے نہیں ہوتے اور جو چیز چاندی سے ہو وہ شیشہ نہیں ہو سکتی لیکن چاندی کے لیے صفتِ کمال بھی ہے اور وہ اس کی ذاتی نفاست اور اس کے رنگ کی سفیدی ہے اور صفتِ نقصان بھی ہے کہ وہ صاف و شفاف نہیں ہوتی اور شیشے کے لیۓ بھی صفتِ کمال ہے وہ اس کا صاف وشفاف ہونا ہے اور صفتِ نقصان بھی ہے اور وہ ذات کی خساست ہے۔ تو غور و فکر اور تامل کے بعد معلوم ہوا کہ مراد ہر ایک سے صفتِ کمال ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ پیدا کی گئی ہے چاندی سے اور یہ چاندی اپنی سفیدی کے ساتھ صاف و شفاف ہونے میں شیشے کی طرح ہے۔"

علامہ سرخسیؒ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی مشکل کی مراد سے واقف ہونے کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ معنی مرادی اور دوسرے معنی میں تمیز ہو سکے اس اعتبار سے مشکل، مجمل کے قریب ہے اس لیے بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ مشکل اور مجمل ایک ہی ہیں۔ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے

عبد الوہاب خلاف نے غالباً اسی قسم کے اشکال کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"وقد ینشأ الاشکال فی مقابلۃ النصوص بعضھا ببعض، أی یکون کل نص علی حدثہ ظاھر الدلالۃ علی معناہ ولا اشکال فی دلالۃ، ولکن الاشکال فی التوفیق والجمع بین ھذہ النصوص ، ومثال ھذا قولہ تعالیٰ : (ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک) (21) مع قولہ

اور تامل کرنا ہو گا تا کہ وہ اپنے ہم شکل سے ممتاز ہو جائے اور ایسا معنی میں گہرائی کی وجہ سے یا نادر استعارہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو غریب کہا جاتا ہے، جیسا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص وطن سے غریب ہو گیا تو ہم شکل لوگوں میں خلط ہو گیا، پس یہ خفی سے زائد معنی کے ساتھ ہو گا۔"

اور علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"وفوقه(ای الخفی) المشکل وهوضد النص، ماخوذ من قول القائل: أشکل علی کذا۔ أی دخل فی اشکاله وامثاله، کمایقال: أحرم، أی دخل فی الحرم، واشتی أی دخل فی الشتاء۔ وأشام أی دخل الشام، وهواسم لمایشتبه المراد منه بدخوله فی اشکاله علی وجه لایعرف المراد الا بدلیل یتمیز به من بین سائر الاشکال، والمشکل قریب من المجمل ولهذا خفی علی بعضهم فقالوا: المشکل والمجمل سواء ولکن بینهما فرق فالتمیز بین الاشکال لیوقف علی المراد قدیکون بدلیل آخر وقد یکون بالمبالغة فی التامل حتی یظهر به الراجح، فیتبین به المراد فهو من هذا الوجه القریب من الخفی ولکنه، فوقه فهناك الحاجة الی التامل فی الصیغة وفی اشکالها۔"(15)

"خفی سے اوپر مشکل ہے اور یہ نص کا ضد و مقابل ہے، یہ قائل کے اس قول سے لیا گیا ہے "اشکل علی کذا" یعنی اپنے ہم شکل اور امثال میں داخل ہو گیا جب کہ کہا جاتا ہے کہ احرم یعنی حرم میں داخل ہو گیا یا اشتی یعنی موسم سرما میں داخل ہوا یا اشام شام میں داخل ہوا۔ یہ "مشکل" نام ہے اس چیز کے لیے جس کی مراد مشتبہ ہو کیونکہ وہ اپنے ہم شکلوں میں داخل ہوا ایسے طریقہ سے جس سے مراد معلوم نہیں ہوتی مگر دلیل کے ساتھ تا کہ وہ دلیل اس کو ہم شکلوں سے ممتاز کر دے، مشکل مجمل کے قریب ہے اسی وجہ سے مشکل (کی اصطلاح کا مفہوم) بعض پر خفی اور پوشیدہ ہو گیا تو وہ کہنے لگے کہ مشکل اور مجمل ایک جیسے اور برابر ہیں حالانکہ دونوں کے درمیان فرق ہے پس ہم شکلوں کے درمیان تمیز کرنا تا کہ مراد پر آگاہی ہو جائے کبھی کبھی دوسری دلیل سے ہوا کرتی ہے اور کبھی غور و فکر اور تامل میں مبالغہ کرنے کے ساتھ یہاں تک کہ راجح معنی واضح ہو جائیں اس لحاظ سے یہ خفی کے قریب ہے لیکن خفی سے خفا میں اوپر ہے پس یہاں ضرورت ہے صیغہ اور اس کی اشکال میں غور وفکر و تامل کرنے کی۔"

علامہ بزدویؒ کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ اشکال جو مشکل میں پایا جاتا ہے یا معنی کے غموض کی وجہ سے ہے یا استعارہ بدیعہ کی وجہ سے۔

جہاں تک معنی میں غموض کی وجہ سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فاتوا حرثکم انّی شئتم﴾ (16) ہے۔

علامہ عبد العزیز بخاری "اصول بزدوی" کی شرح کشف الاسرار میں فرماتے ہیں:

"اشتبه معناه على السامع انه بمعنى كيف أو بمعنى أين فعرف بعد الطلب والتامل أنه بمعنى كيف بقرينة الحرث وبدلالة حرمة القربان فى الاذى العارض وهو الحيض ففى الاذى الازم اولى۔" (17)

"سامع پر اس کا معنی مشتبہ ہو گیا، کہ یہ یہاں "این" کے معنی پر ہے یا "کیف" کے معنی پر، تو غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں بمعنی کیف ہے اور اس کا قرینہ لفظ حرث ہے اور اس دلیل کے ساتھ کہ بیوی کے ساتھ مباشرت حرام ہے اس اذیت اور تکلیف کی وجہ سے جو اس کو در پیش ہوتی ہے اور وہ حیض ہے۔ پس اذی لازم (یعنی وطی فی الدبر میں) میں تو بطریق اولی حرمت ہو گی۔"

مثال کا حاصل یہ ہے کہ لفظ اَنّی "من أین" اور "کیف" کے معنی کے درمیان مشترک ہے یعنی أنی کے معنی "من أین" کے بھی آتے ہیں جیسا کہ حضرت زکریاؑ نے مریمؑ سے کہا: أنی لك هذا تیرے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے اور لفظ أنی کیف" کے معنی میں آتا ہے جیسے لڑکے کی بشارت کے وقت حضرت زکریاؑ نے فرمایا انی یکون لی غلام" میرے ہاں بچہ کس طرح پیدا ہو گا پس انی شئتم میں اشتباہ ہو گیا کہ یہاں انی کس معنی میں مستعمل ہے۔

اگر "من أین" کے معنی میں مستعمل ہے تو معنی ہوں گے "من أی مکان شئتم" یعنی جس مکان سے چاہو آؤ قبل سے یا دبر سے۔ اور اگر انی کیف کے معنی میں مستعمل ہے تو معنی ہوں گے بایة کیفیة شئتم یعنی تم جس کیفیت کے ساتھ چاہو آؤ۔ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، لیٹ کر یا کروٹ سے۔ پس اس بارے میں غور کرنے کے بعد کہ یہاں لفظ انی، کیف کے معنی میں ہے۔ ﴿نساؤکم حرث لکم﴾ کا قرینہ اس معنی پر دلیل ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ محل حرث قبل ہے نہ کہ دبر اس طرح آیت ﴿ویسئلونك عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن﴾ (18) سے باعتبار دلالت کے دبر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اذیت عارضہ جو کہ حیض ہے اس میں عورتوں کے قریب جانا ممنوع ہے

سبحانه تعالیٰ (قل کل من عند الله)(22) وقوله تعالیٰ (ان الله لا یامر بالفحشاء) (23) مع قوله سبحانه (وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا)(24) وسائر النصوص ظاهرها التعارض۔"(25)

"اور کبھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ نصوص میں بعض، بعض کے مقابل ہیں یعنی ہر ایک نص اپنے معنی پر علیحدہ علیحدہ ظاہر الدلالۃ ہے اور اس کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن اشکال ان نصوص کے درمیان موافق ہونے اور جمع ہونے میں ہے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ما اصابك من حسنة مع قوله تعالیٰ (قل کل من عند الله) وقوله تعالیٰ (ان الله لا یامر) مع قوله تعالیٰ (واذا اردنا)۔ "

اور دوسری بات علامہ سرخسیؒ کی عبارت سے یہ معلوم ہو رہی ہے کہ کبھی یہ اشکال تامل اور غور و فکر میں مبالغہ سے دور ہوتا ہے اور مراد ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ "خفی" کے قریب ہے پھر فرماتے ہیں "ولکنه فوقه" یعنی اس سے اس میں خفا زیادہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ عبد العزیز بخاریؒ نے "کشف الاسرار میں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (26) بیان کی ہے۔

فرماتے ہیں:

" فانه مشكل فی حق الفم والانف لانه امر بغسل جميع البدن والباطن خارج منه بالاجماع للتعذر فبقی الظاهر مرادا وللفم والانف شبه بالظاهر حقيقته وحكما وشبه بالباطن كذلك على ما عرف فاشكل امرهما باعتبار هذين الشبهين فبعد الطلب الحقناهما بالظاهر احتياطا ثم وجدنا داخل العين خارجا من الوجوب مع ان له شبها بالظاهر وشبها بالباطن حقيقة وحكما۔ اما حقيقة فظاهر واما حكما فلأن الماء لو دخل عين الصائم او اكتحل لا يفسد صومه ولو خرج دم من قرحة فی عينه ولم يخرج من العين لا يفسد وضوئه وان تجاوز عن القرحة، فتاملنا فيه فوجدناه خارجا للتعذر كالباطن لان ايصال الماء الى داخل العين سبب للعمى وليس فی ايصاله الى داخل الفم والانف حرج فبقی داخلا تحت الوجوب هذا هو معنى التامل بعد الطلب۔ قلت: هذا معنى فقهی لطيف الا ان ما ذكروه لا يصلح نظيرا للمشكل لان المشكل ما كان فی نفسه اشتباه وليس ما ذكروه كذلك لان

معنی التطھر لغۃ وشرعا معلوم ولکن اشتبہ بالنسبۃ الی الفم والانف کاشتباہ لفظ السارق بالنسبۃ الی الطرار والنباش فکان من نظائر الخفی لا من نظائر المشکل۔ "(27)

یہ آیتِ غسل میں ناک اور منہ کے دھونے کے بارے میں مشکل ہے۔ کیونکہ تمام بدن کے دھونے کا حکم ہے اور باطنِ بدن بالاجماع اس سے خارج ہے کیونکہ اس کا دھونا مشکل ہے۔ تو ظاہر بدن کا مراد لینا باقی رہ گیا۔ منہ اور ناک کو ظاہر بدن کے ساتھ بھی حقیقتاً بھی مشابہت ہے اور حکماً بھی اور اسی طرح باطن سے بھی مشابہت ہے جیسا کہ معروف بات ہے۔اب ان دونوں یعنی ناک اور منہ کے بارے میں اشکال پیدا ہو گیا، انہی دونوں مشابہتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے طلب کے بعد ہم نے احتیاطاً ان دونوں (منہ اور ناک) کو ظاہر بدن کے ساتھ ملحق کیا۔ پھر ہم نے آنکھ کے اندرونی حصہ کو وجوبِ غسل سے خارج قرار دیا اگرچہ وہ بھی حقیقتاً و حکماً ظاہر اور باطن دونوں سے مشابہت رکھتا ہے۔اس کا حقیقتاً ظاہر بدن ہونا تو واضح بات ہے۔جو حکماً مشابہت ہے وہ یہ ہے کہ پانی اگر روزہ دار کی آنکھ میں داخل ہو جائے یا وہ سرمہ لگائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔اسی طرح اگر آنکھ کے اندر زخم سے خون نکلے لیکن وہ آنکھ سے باہر نہ نکلے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا اگرچہ وہ خون زخم سے تجاوز کر کے باہر بھی نکل آئے۔چنانچہ ہم نے اس میں غور و فکر کیا تو ہم نے غسل کے حکم سے، عذر کے باعث، اسے خارج سمجھا جیسا کہ باطنِ بدن کا معاملہ ہے۔کیونکہ آنکھ کے اندر پانی پہنچانا نابینا پن کی وجہ بن سکتا ہے جبکہ منہ اور ناک کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے تو اسے وجوب کے حکم کے تحت برقرار رکھا گیا۔ طلب کے بعد غور و فکر کرنے کا یہ مطلب ہے میں کہتا ہوں کہ یہ ایک باریک فقہی معنی کی مثال ہے مگر جو اسے انہوں جو مشکل کی نظیر کے طور پر ذکر کیا ہے یہ اس کی نظیر نہیں بنتی۔کیونکہ مشکل میں فی ذاتہ کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے یہ اس طرح کا معاملہ نہیں ہے کیونکہ تطھر کا معنی لغتاً اور شرعاً معلوم ہے لیکن اشتباہ منہ اور ناک کو اس کے تحت واضح کرنے کی نسبت سے ہے جیسا کہ لفظ سارق کی نسبت سے طرار اور نباش کے حکم کا معاملہ ہے تو یہ خفی کے نظائر میں سے ہے نہ مشکل کے۔

علامہ بخاریؒ نے خود ہی وضاحت کر دی کہ یہ مثال خفی کی ہے نہ کہ مشکل کی۔

مشکل کا حکم:

مشکل میں خفی کے مقابلہ میں چونکہ خفا زیادہ پایا جاتا ہے لہٰذا مشکل کا حکم یہ ہے کہ طلب کے بعد تامل یعنی غور و فکر کیا جائے گا تا کہ مراد ظاہر ہو جائے جیسا کہ علامہ بزدویؒ نے فرمایا ہے:

"لاینال بالطلب بل بالتامل بعد الطلب لیتمیز عن اشکالہ۔" (28)

اور علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"وحكمه اعتقاد الحقيقة فيما هو المراد، ثم الاقبال على الطلب والتأمل فيه الى ان يتبين المراد فيعمل به۔"(29)

یعنی مشکل کا حکم اس کلام سے شارع کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا ہے پھر طلب کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس میں تامل کرنا ہے یہاں تک کہ مراد ظاہر ہو جائے پس اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

ملا جیون شرح نور الانوار علی المنار میں فرماتے ہیں:

"ای حكم المشكل او لا هو اعتقاد الحقية فيما كان مراد الله تعالىٰ بمجرد سماع الكلام، ثم الاقبال على الطلب ای انه لأی معنى يستعمل هذا الفظ، ثم التامل فيه بأنه أی معنى يراد ههنا من بين المعانى فيتبين المراد۔" (30)

"یعنی مشکل کا حکم اولاً تو یہ ہے کہ محض کلام کے سماع کے نتیجے میں اس کا اعتقاد رکھنا کہ جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق ہے۔ پھر طلب (معانی) کی طرف متوجہ ہونا یعنی یہ لفظ کن کن معانی میں مستعمل ہے۔ اس کی طلب کرنا پھر اس میں تامل کرنا یعنی یہ غور و فکر کرنا کہ یہاں معانی میں سے کون سے معانی مراد ہیں پس اس سے مراد واضح ہو جائے گی۔"

اور اگر یہ اشکال نصوص کے ظاہری تعارض کی وجہ سے پیدا ہو جیسے کہ اس سے پہلے اس کا ذکر کیا جا چکا تو اس کے بارے میں عبد الوھاب خلاف فرماتے ہیں :

"واذا وردت نصوص ظاهرها التخالف والتعارض فعلى المجتهد ان يؤولها تاويلا صحيحا يوفق بينها ويزيل مافى ظاهرها من اختلاف، وهادية فى هذا التاويل: اما نصوص اخرىٰ، او قواعد الشرع اوحكمة التشريع۔"(31)

اگر نصوص میں ظاہری طور پر تعارض و تخالف کی صورت پیدا ہو تو مجتہد کے ذمہ ہے کہ وہ ان کی صحیح تاویل کرے جس سے ان میں مطابقت و موافقت پیدا ہو جائے اور ظاہری اختلاف دور ہو جائے۔ اس تاویل کے لیے رہنمائی یا تو دیگر نصوص سے ملے گی یا قواعدِ شریعت سے یا احکامِ شریعت کی حکمتوں پر نظر کرنے سے۔

ڈاکٹر ادیب صالح تفسیر النصوص میں مشکل کے حکم سے متعلق تمام مباحث کا حاصل تحریر فرماتے ہیں:

"أن حكم المشكل النظر اولا فى المعانى التى يحتملها الفظ وضبطها، ثم الاجتهاد فى البحث عن القرائن التى يمكن بواسطتها معرفة المعنى المراد من بين تلك المعانى المحتملة۔ وبذلك يحتاج فى الوصول الى المعنى الذى يدل عليه اللفظ فى المشكل، من الاجتهاد، مالا يحتاج فى الخفى، اذ أن

المشکل کما ذکرنا من قبل۔ ادخل فی عدم الوضوح من الخفی وقد کنا اسلفنا ان المشکل لایکتفی فی الازالۃ غموضۃ بالطلب لابد بعد ھذا الطلب من البحث والتامل۔" (32)

"مشکل کا حکم یہ ہے کہ سب سے پہلے ان معانی پر نظر کی جائے جن کا وہ لفظ احتمال رکھتا۔ پھر ان قرائن کی تلاش کی سعی کی جائے جن کے ذریعے احتمالی معنی میں سے مرادی معنی تک رسائی ممکن ہے اس لحاظ سے مشکل لفظ کے معانی اور دلالت تک رسائی کے لیے اس اجتہادی کاوش و کوشش کی احتیاج ہوتی ہے جس کی خفی میں ضرورت نہیں ہوتی۔ اس طرح جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ مشکل عدمِ وضوح میں خفی سے زیادہ گہرا ہے اور ہم نے پہلے بیان کیا کہ مشکل کے معاملے میں غموض کا ازالہ محض طلب سے نہیں ہوتا بلکہ اس طلب کے بعد بحث اور غور و فکر لازم ہے۔"

مجمل:

غیر واضح الدلالۃ الفاظ کی تیسری قسم مجمل ہے جو مفسر کے مقابل ہے جس طرح ظاہر اور نص کے مقابلہ میں مفسر میں معنی کا ظہور زیادہ ہوتا ہے سوائے نسخ کے ہر قسم کی تاویل یا تخصیص کا احتمال ختم ہو جاتا ہے اسی طرح "مجمل" میں خفی اور مشکل کے مقابلہ میں خفا زیادہ ہوتا ہے جو صرف طلب و تامل سے دور نہیں ہوتا جب تک مجمِل یعنی شارع کی طرف سے اس کا بیان نہ ہو۔

مجمل، اجمال، جس کے معنی ابہام کے ہیں، سے ماخوذ ہے اجمل علیھم الامر اس وقت بولا جاتا ہے جب لوگوں پر معاملہ مشتبہ ہو جائے اور اصطلاح میں مجمل اس لفظ کو کہا جاتا ہے جس میں بہت سے معانی مجتمع ہوں اور پھر اس کی مراد اس طرح مشتبہ ہو جائے کہ نفسِ عبارت سے معلوم نہ ہو سکتی ہو بلکہ مجمِل کے بیان کرنے سے اس کی مراد معلوم ہو۔ جیسے کوئی شخص پردیس میں اپنی ہیئت اور لباس بدل کر لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے لگا ہو تو لوگوں سے دریافت کیے بغیر اس شخص کے بارے میں واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی اس طرح مجمل یعنی شارع جب تک اپنی مراد بیان نہیں کرے گا کوئی اس کی مراد سے واقف نہیں ہو سکتا۔

علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"ثم المجمل وھو ما ازدحمت فیہ المعانی واشتبہ المراد اشتباھا لا یدرک بنفس العبارۃ بل بالرجوع الی الاستفسار ثم الطلب ثم التامل وذلک مثل قولہ تعالیٰ وحرم الربوا فانہ لا یدرک

بمعانی اللغة بحال وکذلك الصلوة والزکوة وهو ماخوذ من الجملة وهو کرجل اغترب عن وطنه بوجه انقطع به اثره والمشکل یقابل النص والمجمل یقابل المفسر۔" (33)

"پس مجمل وہ ہے جس میں معانی کا ازدحام واقع ہوجائے اور مراد مشتبہ ہو جائے ایسا اشتباہ آجائے کہ نفسِ عبارت سے وہ معلوم نہ ہو سکے بلکہ استفسار، پھر طلب اور پھر تامل اوراس کی مثال یہ ارشاد خداوندی حرم الربا ہے۔ یہ ربا کے مرادی معنی، لغت کے ذریعے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس طرح لفظ صلوۃ و زکوۃ وغیرہ کا معاملہ ہے اور یہ لفظ "جملہ" سے لیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بندہ اپنے ملک سے غریب ہو گیا۔ ایسی غربت و انقطاع مراد ہے کہ اس کا نشان تک ختم ہو جائے مشکل نص کے مقابلہ میں ہے اور مجمل مفسر کے مقابلہ پر ہے۔"

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"واما المجمل فهو ضد المفسر، ماخوذ من الجملة، وهو لفظ لا یفهم المراد منه الا باستفسار من المجمل وبیان من جهته یعرف به المراد، وذلك اما لتوحش فی معنی الا استعارة او فی صیغة عربیة ما یسمیه اهل الادب لغة غریبة، والغریب اسم لمن فارق وطنه ودخل فی جملة الناس فصار بحیث لا یوقف علی اثره الا باستفسار عن وطنه ممن یعلم به۔" (34)

"مجمل مفسر کی ضد ہے۔ یہ لفظ "الجملة" سے ماخوذ ہے۔ مجمل وہ لفظ ہے جس کی مراد سمجھ میں نہ آئے سوائے اس کے کہ اجمال کرنے والے سے پوچھا جائے اور اسی کی طرف سے بیان ہو جائے جس سے مراد معلوم ہو اور یہ اس اجمال کی وجہ کہ یا تو استعارہ کے معنی میں بُعد ہوتا ہے یا عربی صیغہ میں اجنبیت ہوتی جس کو اہلِ ادب میں صیغہ غربیہ کہا کرتے ہیں اور غریب وہ جو وطن سے دور ہو اور دوسرے لوگوں میں داخل اس طرح ہو کہ اس کا کوئی نشان پتہ نہ چلے سوائے استفسار اور پوچھنے کے اس کے وطن کے بارے میں جس سے پہچان ہو جائے۔"

علامہ عبد العزیز بخاریؒ کشف الاسرار میں علامہ بزدویؒ کی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قوله ثم المجمل أی بعد المشکل المجمل ومعناه فوقه لانه لما بدأ ببیان أدنی درجات الخفاء اولا کان کل ما بعده اعلی رتبة منه فی الخفاء (ما ازدحمت فیه المعانی) أی تدافعت یعنی یدفع کل واحد سواه لا انه شمل معانی کثیرة، وقوله: (المعانی) لیس بشرط لصیرورته مجملا، لان اللفظ المشترك بین معنین قد یصیر مجملا اذا انسد فیه باب الترجیح کما مرّ، والمراد من المعنی ههنا

مفہوم الفظ ، واولی أن یقال المراد من ازدحام المعنی توارد ھا علی اللفظ من غیر رحجان لاحدھا علی الباقی کما فی المشترك فی اصل الوضع الی ان التوارد ھھنا اعم منہ فی المشترك باعتبار الوضع فقط باعتبارہ وباعتبار غرابۃ اللفظ وتوحشہ من غیر اشتراك فیہ وباعتبار ابھام المتکلم الکلام وھذا لان المجمل انواع ثلاثہ : نوع لایفھم معناہ لغۃ کالھلوع قبل التفسیر ونوع معناہ مفھوم لغۃ ولکنہ لیس بمراد کالربا والصلاۃ والزکاۃ ونوع معناہ معلوم لغۃ الا انہ متعدد والمراد واحد منھا ولم یمکن تعیینہ لانسداد باب الترجیح فیہ کما مر، ففی القسم الاخیر توارد المعنی باعتبار الوضع وفی القسمین الاولین باعتبار غرابۃ اللفظ وابھام المتکلم۔" (35)

" (ثم المجمل) یعنی مشکل کے بعد مجمل ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے اوپر ہے کیونکہ جب خفا کے درجات کے اعتبار سے سب سے پہلے ادنی کا بیان ہے تو پھر اس کے بعد جسے بھی بیان کیا جائے گا وہ خفا میں اس سے اوپر درجہ کا ہو گا۔ (ما ازدحمت فیہ المعانی) یعنی ہر معانی دوسرے معانی کو دفع کرے نہ کہ ازدحام سے مراد بہت سے معانی کا شامل ہونا ہے۔ (المعانی) یہ مجمل قرار دینے کے لیے شرط نہیں ہے (کہ معانی کثیر ہوں) بلکہ دو معانی میں مشترک لفظ بھی کبھی مجمل ہوتا ہے جب ترجیح کا باب بند ہو جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور یہاں معنی سے مراد لفظ کا مفہوم ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے ازدحام معانی سے مراد معانی کا لفظ پر ایسا ورود ہے کہ ان میں کسی ایک معنی کو دوسرے معانی پر ترجیح نہ دی جا سکے جیسا کہ مشترک میں وضع کے اعتبار سے ایک معنی کو ترجیح ممکن نہیں ہوتی البتہ یہاں معانی کا ورود مشترک سے زیادہ عام ہوتا ہے۔ مشترک میں توارد معانی کا مسئلہ محض وضع کے اعتبار سے ہوتا ہے جبکہ مجمل میں توارد کبھی وضع کے اعتبار ہوتا ہے، کبھی لفظ کی غرابت کے اعتبار سے بغیر کسی معانی کے اشتراک کے (یعنی لفظ مشترک نہیں ہوتا بلکہ، اس میں غرابت ہوتی ہے) اور کبھی متکلم کی جانب سے ابہام کے اعتبار سے۔ اس لحاظ سے مجمل کی تین اقسام ہیں پہلی قسم جس میں معنی لغت کے ذریعے نہ سمجھے جا سکیں جیسے ہلوع کا لفظ تفسیر سے پہلے ۔ دوسری قسم جس میں لغوی اعتبار سے معنی سمجھے جاسکتے ہیں لیکن وہ مراد نہیں ہوتے جیسے ربا، صلوۃ و زکوۃ۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں لغوی اعتبار سے معنی معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ معانی متعدد ہوتے ہیں جبکہ مراد ایک ہی معنی ہوتا ہے اور اس معنی کو معین کرنے کا امکان نہیں ہوتا کیونکہ ترجیح کا باب بند ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کے بارے پہلے ذکر گزر چکا۔ آخری قسم میں توارد معنی باعتبارِ وضع ہوتا ہے جبکہ اول قسموں میں لفظ کی غرابت اور متکلم کی طرف سے ابہام کی وجہ سے ہوتا ہے۔"

علامہ عبد العزیز بخاریؒ نے مذکورہ عبارت میں مجمل کی اقسام بھی بیان کر دی ہیں:

مجمل کی تین اقسام ہیں:

1۔ ایک وہ جس میں ازدحام معنی کی وجہ سے اجمال پیدا ہوا ہو جیسا کہ مشترک جب اس میں ترجیح کا دروازہ بند ہو گیا ہو یعنی ایک معنی کو دوسرے معنی پر ترجیح حاصل نہ ہو۔

2۔ دوم وہ جن میں معانی کا اشتراک تو نہ ہو لیکن لفظ غریب ہونے کی وجہ سے اجمال پیدا ہو گیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ان الانسان خلق هلوعا﴾ (36) میں لفظ هلوع تفسیر سے قبل مجمل تھا باری تعالیٰ نے خود ہی اس کی تفسیر بیان کر دی:

﴿إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَّإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ (37)

3۔ سوم مجمل وہ لفظ ہے جس میں اجمال اس لیے پیدا ہو گیا ہو کہ متکلم نے اپنے کلام کے ظاہری معنی چھوڑ کر یعنی لغوی معنی ترک کر کے شرعی اصطلاحی معنی مراد لیے ہوں جیسے لفظ صلوۃ، زکوۃ، صوم، حج وغیرہ۔ ان میں مجمل الفاظ کا اجمال شارع کے بیان ہی سے رفع ہوا ہے۔ شارع کے بیان کے بعد اب یہ مفسر بن گئے۔

ان میں تین اقسام میں سے پہلی قسم کا اجمال اگر صرف طلب و تامل سے دور ہو جاتا ہو تو وہ مشکل کہلائے گی مجمل نہیں لیکن اگر وہ رفعِ اجمال کے لیے شارع کے بیان کی محتاج ہو تو پھر مجمل ہی ہو گی۔ البتہ دوسری دو اقسام کا اجمال صرف طلب و تامل سے دور نہیں ہو سکتا بلکہ ان کا شارع کے بیان کا محتاج ہونا ظاہر ہے۔

مجمل کا حکم:

مجمل کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد ہو اور اس میں توقف ہو یہاں تک کہ بیان سے اس کی مراد ظاہر ہو جائے۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"وموجبه اعتقاد الحقية فيما هو المراد والتوقف فيه الى ان يتبين ببيان المجمل۔" (38)

علامہ نسفیؒ بھی "المنار" میں مجمل کا حکم اسی طرح بیان فرماتے ہیں:

"وحكمه اعتقاد الحقية فيما هو المراد والتوقف فيه الى ان يتبين ببيان المجمل۔" (39)

مجمل کا بیان کبھی تو قرآن مجید میں ہی ہوتا ہے جیسے طلوع اور کبھی یہ بیان نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر سے ہوتا ہے جیسے شرعی اصطلاحات صلوۃ،زکوۃ،صوم و حج وغیرہ کا بیان نبی کریم ﷺ کے اقوال واعمال سے ہوا اور آپؐ کا یہ بیان بھی من جانب اللہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾(40)

"یعنی آپ ﷺ مبین کتاب اللہ من جانب اللہ ہیں۔"

متشابہ:

غیر واضح الدلالۃ الفاظ کی چوتھی قسم متشابہ ہے جو محکم کے مقابلہ میں ہے جس طرح محکم میں معنی کا ظہور انتہائی درجہ کا ہوتا ہے اسی طرح متشابہ میں انتہائی درجہ کا خفا ہوتا ہے جس طرح محکم میں نسخ کا احتمال نہیں ہوتا اسی طرح متشابہ میں بیان کی امید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔

متشابہ لغت میں اشبهت الامور وتشابهت سے ماخوذ ہے جس کے معنی التبست لاشتباہ بعضها بعضا یعنی ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گئے۔وتشبه علیه الامرای لبس علیه یعنی پوشیدہ ہو گیا۔(41)

جہاں تک اصولیین کی اصطلاح کا تعلق ہے ڈاکٹر ادیب صالح کے نزدیک حنفی اصولیین کے ہاں بطور اصطلاح کے دو مراحل میں اس کا تطور وارتقاء ہوا ہے۔پہلے مرحلہ میں جب ہم تیسری صدی ہجری کے حنفی اصولی امام ابوالحسن الکرخیؒ اور پھر چوتھی صدی ہجری کے حنفی اصولی امام ابوبکر الجصاصؒ جو کرخی کے شاگرد ہیں کی کتبِ اصول کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے متشابہ کی تعریف جو ان ائمہ کی کتب میں تحریر ہے لغوی مفہوم کے زیادہ قریب ہے

علامہ ابوبکر الجصاصؒ "الفصول فی الاصول" میں امام ابوالحسن الکرخیؒ کی بیان کردہ تعریف نقل فرماتے ہیں:

"كان ابو الحسن رحمه الله يقول المحكم (ما) لا يحتمل الا وجها واحدا والمتشابه ما يحتمل وجهين أو اكثر منهما۔" (42)

"ابوالحسن فرماتے تھے کہ محکم وہ ہے جو ایک سے زیادہ معنی کا محتمل نہیں ہوتا اور متشابہ دو یا اس سے بھی زیادہ معانی کو محتمل ہوتا ہے۔"

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ متشابہ دو یا دو سے زیادہ معنی کا احتمال رکھتا ہے پس قرینہ کی وجہ سے دو یا دو سے زیادہ معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے گی جس پر قرینہ دلالت کرے گا۔متشابہ کی اس

تعریف کی رو سے آیات الاحکام میں بھی متشابہ کا وجود ہے ایسی آیات جن میں متشابہ الفاظ ہوں یعنی ایک سے زیادہ معنی کا احتمال رکھتے ہوں تو ان کو محکم کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس معنی کو ترجیح دی جائے گی جو محکم کے مطابق ہو گا۔ علامہ جصاصؒ نے الفصول فی الاصول میں آیات الاحکام میں متشابہ کے پائے جانے کی مثالیں بیان کی ہیں۔ وضاحت کے لیے ہم ان میں سے دو کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

"وسبيل المتشابه أن يحمل على المحكم ويرد اليه وذلك فى الفقه كثير نحو قوله تعالى (ولكن يواخذكم بما عقدتم الايمان) قرىء بالتخفيف وبالتشديد، فمن قرأ بالتخفيف احتمل ان يكون المراد به عقد اليمين واحتمل أن يريد به اعتقاد القلب بأن يكون قاصدا الى اليمين فيكون تقديره لما قصدتموه من الايمان۔ وتقدير الاول ولكن يواخذكم باليمين المعقودة وهى التى تعقد على حال مستقبلة فقراءة التشديد لا تحتمل الا وجها واحدا وقراءة التخفيف تحتمل معنيين۔

فوجب حمل ما احتمل وجهين على ما لا يحتمل الا وجها واحدا لان الله تعالىٰ امرنا بذلك فى قوله تعالىٰ (هو الذى انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات) فجعل المحكم اما للمتشابه وام الشىء هى منها ابتداؤه واليها مرجعه۔

قال اميه بن الصلت

الارض معقلنا وكانت أمنا فيها مقابرنا وفيها نوأد

فسماها أمالنا من حيث كان منها ابتداء خلقنا واليها مرجعنا۔

ونظيره ايضاً قوله تعالىٰ (حتى يطهرن) قرىٔ بالتخفيف والتشديد فمن قرأها بالتخفيف أراد انقطاع الدم لا يحتمل اللفظ غيره ومن قرأها بالتشديد كان محتملاً لانقطاع الدم لانه يقال طهرت المرأة وتطهرت بمعنى واحد فاحتمل أيضا الاغتسال فلما احتمل معنيين وجب حمله على ما لا يحتمل الا وجها واحدا وهو انقطاع الدم۔" (43)

متشابہ کی توجیہ یہ ہے کہ اس کو محکم پر محمول کیا جائے اور اسی کی طرف لوٹا دیا جائے اور اس کی مثالیں فقہ میں بہت زیادہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی (ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان) لیکن تمہاری پکڑ ہو گی اس قسم پر جو تم نے باندھی ہے لفظ عقدتم کو بغیر تشدید یعنی تخفیف کے

ساتھ پڑھا گیا ہے اور دوسری قرأت میں تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔پس جن قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے(بغیر تشدید کے)تو(یہ آیت دو معنوں کو محتمل ہوئی)ایک احتمال یہ ہوا کہ مراد اس سے عقد یمین ہو اوردوسرا احتمال یہ ہے کہ مراد اس سے دل کا اعتقاد ہو کہ وہ یمین کی طرف قصد و ارادہ کرنے والا ہے۔ پس تقدیر کلام یوں ہے کہ(لما قصدتموہ)اورپہلے احتمال میں تقدیر کلام یوں ہو گی۔(ولکن یوأخذکم بما عقدتم الایمان)۔ لیکن تمہاری پکڑ اور مواخذہ ہو گا۔اگر باتشدید قرأت ہو تو وہ ایک ہی معنی کا احتمال رکھتی ہے۔

تو یہ واجب ہے کہ جو دو معانی کا احتمال رکھے اسے اس کی طرف لوٹایا جائے گا جو ایک معنی کا احتمال رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم فرمایا۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے ﴿هو الذی انزل علیك الكتاب منه آیات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات﴾ تو محکم کو متشابہ کے لیے ام(ماں)بنایا۔ام الشئ(کسی چیز کی ماں)وہ ہے جس سے اس چیز کی ابتداء ہوتی ہے اور اسی کی طرف اس کا مرجع ہوتا ہے۔امیہ بن الصلت کا قول ہے

زمین ہماری جائے پناہ ہے اور ہماری ماں ہے

اس میں ہماری قبریں ہیں اور ہم اس میں دفن ہوتے ہیں۔

اس نے اس کو ام کا نام دیا اس لحاظ سے کہ اس سے ہماری تخلیق کی ابتداء ہے اور اس کی طرف ہمارا مرجع (لوٹنے کی جگہ)ہے۔اس کی نظیر یہ فرمان باری تعالیٰ بھی ہے(حتی یطهرن) اس کو تخفیف اور تشدید دونوں طرح قرأت کیا گیا ہے تو جس نے اس کو تخفیف کے ساتھ قرأت کیا تو اس نے انقطاع الدم مراد لیا کیونکہ یہ کسی دوسرے لفظ کو متحمل نہیں۔اور جس نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا تو یہ انقطاع دم کا بھی محتمل ہے کیونکہ کہا جاتا ہے طهرت المرأة و تطهرت ایک اور معنی کا بھی یہ احتمال رکھتا وہ غسل ہے۔پس جب دو معانی کو متحمل ہوا تو لازم ہوا اس کو اس پر محمول کیا جائے تو صرف ایک معنی کا احتمال رکھتا ہے،پس وہ انقطاع دم(خون کا رکنا)ہے۔

مذکورہ مثالوں میں سے پہلی مثال میں لفظ"عقدتم" کو بعض قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا اور بعض نے تشدید کے ساتھ۔علامہ ابو بکر الجصاصؒ فرماتے ہیں قرأۃ تخفیف دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے جبکہ قرأۃ تشدید سے صرف ایک معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔اس طرح قرأۃ تخفیف متشابہ ہے جبکہ قرأۃ تشدید محکم ہے لہٰذا متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے گا اس لیے احناف نے عقد سے مراد یمین منعقدہ ہی لیا ہے جو قرأۃ تشدید کا مدلول ہے۔

دوسری مثال میں "حتیٰ یطھرن" بھی دو قرأتیں ہیں بعض قراءنے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے تشدید کے ساتھ۔ قرأۃ بالتشدید انقطاعِ دم اوراغتسال دونوں کا احتمال رکھتی ہے جبکہ قرأۃ بالتخفیف سے صرف انقطاعِ دم ہی مراد ہے دوسرا احتمال ہے ہی نہیں لہٰذا قرأۃ بالتشدید کو قرأۃ بالتخفیف کی طرف لوٹایا جائے کیونکہ قرأۃ بالتخفیف محکم ہے اور قرأۃ بالتشدید متشابہ ہے۔

ڈاکٹر عجیل جاسم "الفصول فی الاصول" کی تعلیقات میں فرماتے ہیں:

"وضح الامام الجصاص ذلك فی احکام القرآن فقال اذا قریء بالتخفیف فانما هو انقطاع الدم لا الاغتسال لانها لو اغتسلت وهی حائض لم تطهر فلا یحتمل قوله (حتیٰ یطهرن) الا معنی واحدا وهو انقطاع الدم الذی به یکون الخروج من المحیض، واذا قریء بالتشدید احتمل الامرین من انقطاع الدم ومن الغسل لما وصفنا آنفا فصارت قرأة التخفیف محکمة وقرأة التشدید متشابهة وحکم المتشابهة أن یحمل علی المحکم ویرد الیه فیحصل معنی القراءتین علی وجه واحد وظاهرهما یقتضی اباحة الوطء بانقطاع الدم الذی هو خروج من الحیض" (44)

"امام جصاصؒ نے اس کی وضاحت احکام القرآن میں کی ہے۔ فرمایا کہ اگر تخفیف کے ساتھ قرأت کیا جائے تو اس کا مطلب صرف انقطاع دم ہے نہ کہ غسل، کیونکہ اگر اس نے غسل کر بھی لیا اور حائضہ ہوئی تو وہ پاک نہ ہو گی۔ پس اللہ تعالیٰ کا فرمان (حتی یطھرن) صرف ایک معنیٰ کو محتمل ہے اور وہ انقطاع دم ہے جس کی بنیاد پر حیض سے خروج ہو گا۔ پس جنہوں تشدید کے ساتھ قرأت کی جائے تو یہ امر کا احتمال رکھے گی انقطاع دم اور غسل کا۔ غسل کے بارے میں ہم نے پیچھے ذکر کیا تو قرأت بالتخفیف محکم قرار پائی اور قرأت تشدید متشابہ اور حکم متشابہ یہ ہے کہ اسے محکم پر محمول کیا جائے اور اسی کی طرف لوٹایا جائے پس دونوں قرأتوں کا مدلول ایک ہی معنیٰ قرار پائے گا اور ان دونوں کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ خون رک جانے سے جماع مباح ہو۔ انقطاع دم سے مراد حیض سے نکلنا ہے۔"

امام ابو الحسن الکرخیؒ اورامام ابو بکر الجصاصؒ کی بیان کردہ تعریف کی رو سے متشابہ اور مجمل کا ایک ہی مفہوم ہے جیساکہ مذکورہ مثالوں سے بھی ظاہر ہے۔ پہلی مثال میں قرأۃ بالتخفیف مجمل ہے اور قرأۃ بالتشدید مفسر ہے اسی طرح دوسری مثال میں قرأۃ بالتشدید مجمل ہے اور قرأۃ بالتخفیف مفسر ہے اس لیے کہ دو قرأتیں دو آیات کے قائم مقام ہوتی ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے بھی الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں متشابہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

"تشابہ آن ست کہ محتمل دو معنی باشد بسبب احتمال رجوع ضمیر بدّ مرجع چنانکہ شخصے گفت اما ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنہ اللہ یا اشتراک کلمہ دردو معنی مانند لامستم در جماع ولمس بیدواحتمال عطف بر قریب وبعید مانند "وامسحوبرءوسکم وارجلکم "فی قرأۃالکسرۃ واحتمال عطف واستیناف مانند لایعلم تاویلہ الااللہ والراسخون فی العلم"(45)

تشابہ وہ کلام ہے جس میں دو معانی کا احتمال ہو۔ کبھی یہ احتمال ضمیر کے دو مرجع کی جانب لوٹنے کی وجہ سے ہو گا جیسا کہ کسی شخص نے کہا اماان الامیر امرنی ان العن فلانالعنہ اللہ (یعنی امیر نے مجھے حکم دیا کہ فلاں پر لعنت کروں اللہ اس پر لعنت کرے) یہاں لعنہ میں "ہ" کی ضمیر کے مرجع کے بارے اشتباہ ہے کہ یہ حکم دینے والے امیر کی طرف لوٹ رہی ہے یا جس پر اس نے لعنت کا حکم دیا اس کی طرف۔ کبھی اس کی وجہ سے بھی اشتباہ ہوتا ہے کہ کلمہ دو معانی میں مشترک ہوتا ہے جیسے لامستم جماع اور ہاتھ سے چھونے میں مشترک ہے۔ کبھی اشتباہ عطف کے قریب و بعید میں احتمال کے باعث ہوتا مثلاً وامسحوا برروسکم وارجلکم کسرہ والی قرأت کی صورت میں (یعنی وارجلکُم والی قرأت میں عطف وامسحوا پر ہے یا فاغسلوا پر اس سے اشتباہ لاحق ہونا) کبھی اس اشتباہ اس وجہ سے کہ عطف اور نفی دونوں کا احتمال ہوتا جیسے "ومایعلم تاویلہ الا اللہ والرسخون فی العلم "میں۔(کہ وقف اگر الا اللہ پر ہو تو نفی ہو گی اور اگر فی العلم پر ہو تو عطف ہو گا)

دوسرا مرحلہ جس میں تشابہ خفاءِ معنی کے اعتبار سے آخری درجہ کا لفظ یا کلام قرار پایا، چنانچہ اس میں خفاء انتہائی درجہ کا پایا جاتا ہے یہاں تک کہ بیان کی امید بھی منقطع ہوجاتی ہے اور اس کی مراد معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور یہ اس محکم کے مقابلہ میں ہوتا ہے جو معنی کے ظہور اور قوت میں آخری درجہ کا ہوتا ہے کہ جس میں نسخ کا بھی کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"فاذا صار المراد مشتبھاعلی وجہ لا طریق لدرکہ حتیٰ سقط طلبہ وجب الحقیۃ فیہ سمی متشابھا بخلاف المجمل فان طریق درکہ متوھم وطریق درك المشکل قائم فاما المتشابہ فلا طریق لدرکہ الا التسلیم فیقتضی اعتقاد الحقیۃ قبل الاصابۃ وھذا معنی قولہ وآخر متشابھات وعندنا ان لاحظ للراسخین فی العلم من المتشابہ الا التسلیم علی اعتقاد حقیۃ المراد عند اللہ تعالیٰ وان الوقف علی قولہ ومایعلم تاویلہ الا اللہ واجب" (46)

"پس جب مراد کا سمجھ میں آنا اس حد تک مشتبہ ہو گا کہ اس کے حصول کا کوئی طریقہ باقی نہ رہا تو اس کی طلب ساقط ہو جائے گی اور اس کو حق سمجھنا واجب ہو گا۔ متشابہ کو مجمل کے برخلاف یہ نام اس لیے دیا گیا کہ مجمل کے معانی کا حصول ممکن ہوتا ہے اور مشکل کے معانی کا پالینا بھی ثابت ہے۔ جہاں تک متشابہ کا تعلق ہے تو اس کے ادراک کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کو ماننے کے (کہ وہ حق ہے) پس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو حق سمجھنے کا اعتقاد رکھا جائے اور اس کے معنی قیامت سے پہلے نہیں معلوم ہو سکتے اور یہ معنی ہے اللہ کے فرمان وَاُخَرُ متشابہات کے۔ ہمارے نزدیک راسخین فی العلم کے لیے متشابہ کے معنی میں کوئی حصہ نہیں سوائے یہ تسلیم و اعتقاد کرنے کے کہ اس کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ میں الا اللہ پر وقف واجب ہے۔"

علامہ عبد العزیز بخاریؒ "کشف الاسرار" میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" (فان طریق درکه متوهم) أی مرجو من جهة المجمل وطریق درك المشكل قائم ای ثابت بدون بیان یلتحق به، بل یعرف فی التأمل فی مواضع اللغة۔ قوله: (الا التسلیم) استثناء منقطع من لا طریق قبل الاصابة أی قبل یوم القیامة فان المتشابهات تنكشف یوم القیامة، (وهذا) أی ما ذكرنا من تفسیر المتشابه وهو الذی لا طریق لدركه أصلاً (وعندنا لا حظ للراسخین الا التسلیم) استثناء متصل من لاحظ أی لیس له موجب سوی اعتقاد الحقیة فیه والتسلیم، وعلی بمعنی مع، وهذا بیان حكم المتشابه، وأن الوقف معطوف علی قوله لاحظ، وفی بعض النسخ: وعندنا ان لا حظ وهو اصح۔ واختلفوا فی ان الراسخ فی العلم هل یعلم تاویل المتشابه فذهب عامة السلف من الصحابة والتابعین رضی اللہ عنہم الی انه لا حظ لاحد فی ذلك وانما الواجب فیه التسلیم الی الله تعالیٰ مع اعتقاد حقیة المراد عنده، وهو مذهب عامة متقدمی اهل السنة والجماعة من اصحابنا واصحاب الشافعی وهو مختار المصنف والیه اشار بقوله عندنا، وعلی هذا الوقف علی قوله (الا الله) واجب لانه لو وصل فهم ان الراسخین یعلمون تاویله فیتغیر الكلام وذهب اكثر المتاخرین الی ان الراسخ یعلم تاویل المتشابه، وان الوقف علی قوله والراسخون فی العلم لا علی ما قبله والواو فیه للعطف لا للاستئناف وهو مذهب عامة للمعتزلة" (47)

"یعنی مجمل کی جہت سے معنی کی امید ہوتی ہے (وطریق درک المشکل قائم) یعنی بغیر کسی بیان کے ملحق ہونے کے مشکل معانی ثابت ہوتے ہیں لیکن لغت میں غور و فکر سے اس کی معرفت ہوتی ہے۔ (الا التسلیم) استثناء منقطع ہے لا طریق سے (قبل الاصابۃ) یعنی قیامت کے دن سے قبل متشابہات کی حقیقت کا

معلوم ہونا ممکن نہیں البتہ قیامت کے دن ان کی حقیقت کھول دی جائے گی۔(وھذا) یعنی جو ہم نے متشابہ کی توضیح میں ذکر کیا وہ یہ کہ اس کے ادراک کی کوئی صورت نہیں۔(وعندنا لا حظ للراسخین الا التسلیم) لاحظ سے استثناء متصل ہے۔یعنی ان کے لیے کچھ بھی واجب کرنے والا نہیں سوائے اس کے حق ہونے کے اعتقاد کے اور اللہ کے سپرد کرنے کے۔(علی) یہاں بمعنی مع ہے۔یہ متشابہ کے حکم کا بیان ہے۔وان الوقف سے شروع ہونے والا جملہ ان کے قول لا حظ پر معطوف ہے۔بعض نسخوں میں ہے وعندنا لا حظ وھو اصح بھی تحریر ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ راسخ فی العلم کیا متشابہ کی تاویل جان سکتا ہے؟اسلاف میں عمومی طور پر صحابہ کرامؓ، تابعین کا مسلک یہی ہے کہ کسی کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں اور اس کے معاملہ میں صرف یہی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور اس کی مراد اس کے پاس حق ہونے پر اعتقاد رکھا جائے۔یہ عام متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ ہمارے اصحاب اور اصحاب شافعیہ کا مذہب ہے اور مصنف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی طرف اشارہ ان کا قول "عندنا" ہے۔الا اللہ پر وقف کرنا واجب ہے کیونکہ اگر ملا دیا جائے تو مراد ہو گا الراسخون اس کی تاویل کو جانتے ہیں تو کلام میں تغیر واقع ہو جائے گا۔مگر متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ راسخ فی العلم متشابہ کی تاویل جان سکتا ہے۔ان کے نزدیک وقف فرمان باری تعالیٰ میں والراسخون فی العلم پر ہے نہ کہ اس سے قبل پر۔"و" یہاں عطف کے لیے ہے نہ کہ نفی کے لیے۔یہ عام معتزلہ کا بھی مذہب ہے۔"

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"واما المتشابه فهو اسم لما انقطع رجاء معرفة المراد منه لمن اشتبه فيه عليه، والحكم فيه اعتقاد الحقية والتسليم بترك الطلب والاشتغال بالوقوف على المراد منه، سمي متشابها عند بعضهم لاشتباه الصيغة بها وتعارض المعاني فيها وهذا غير صحيح، فالحروف المقطع في اوائل السور من المتشابهات عند اهل التفسير وليس فيها هذا المعنى ولكن معرفة المراد فيه ما يشبه لفظه وما يجوز ان يوقف على المراد فيه وهو بخلاف ذلك، لانقطاع احتمال معرفة المراد فيه وانه ليس له موجب سوى اعتقاد الحقية فيه والتسليم كما قال تعالى: (وما يعلم تاويله الا الله) فالوقف عندنا في هذا الموضع ثم قوله تعالى(والراسخون في العلم) ابتداء بحرف الواو لحسن نظم الكلام وبيان ان الراسخ في العلم من يومن بالمتشابه ولا يشتغل بطلب المراد فيه بل يقف فيه مسلما هو معنى قوله تعالى يقولون امنا به كل من عندنا ربنا" (48)

" تشابہ اس کلام کا نام ہے جس کی مراد کی معرفت کی امید منقطع ہو جائے جس معاملے میں اس میں اشتباہ واقع ہے۔ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھے اور اللہ کے سپرد کر دے اور معانی کی طلب اور اس کی مراد جاننے کے اشتغال کو ترک کر دے۔ بعض کے نزدیک اس کا نام تشابہ اس لیے ہے کہ اس کے صیغہ لفظ کے معانی میں اشتباہ ہوتا ہے اور معانی اس میں متعارض ہوتے ہیں، لیکن تشابہ کی یہ تعریف درست نہیں ہے۔ اہل تفسیر کے نزدیک حروف مقطعات جو سورتوں کے آغاز میں ہیں، تشابہات میں سے ہیں، لیکن وہ اس معنی میں تشابہ نہیں ہیں کیونکہ ان کی مراد کا نہ معلوم ہونا لفظ میں اشتباہ کی وجہ سے نہیں ہے اور اس میں مراد جان لینے کے درپے ہونا جائز نہیں مراد کی معرفت کے احتمال کے منقطع ہونے کے باعث تو یہ اس تعریف کے خلاف ہے۔ پس تشابہ میں اس کے سوا کچھ واجب نہیں ہے اس کے حق ہونے پر اعتقاد رکھا جائے اور اسے اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے (ومایعلم تاویلہ الا اللہ) ہمارے نزدیک اس جگہ پر وقف ہے۔ پھر فرمانِ باری تعالیٰ والراسخون فی العلم میں حرف واؤ سے ابتداء، حسنِ کلام کے لیے ہے اور اس کے بیان کے لیے ہے کہ راسخ فی العلم وہ ہے جو تشابہ پر ایمان لاتا ہے اس کی مراد کے جاننے کے درپے نہیں ہوتا بلکہ تسلیم کرتے ہوئے توقف کرتا ہے یہ معنی ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان کا یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا کا۔"

دونوں ائمہ کی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ تشابہ وہ کلام ہے جس کی مراد منقطع ہونے کی امید بالکل منقطع ہو گئی ہو اور اس کی مراد ظاہر ہونے کی کوئی امید نہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے صحیح معنی سمجھنے سے پہلے اس کے حق ہونے کا اعتقاد ہو کہ تشابہ کی جو مراد ہے وہ حق ہے اگرچہ قیامت سے پہلے ہمیں اس کا علم نہیں ہو سکے گا۔

تشابہ کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

﴿هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾(49)

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض تشابہ ہیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔"

سے اخذ کیا گیا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب الا اللہ پر وقف لازم ہو، علامہ بزدویؒ اور علامہ سرخسیؒ کا یہی مذہب ہے جو جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ الا اللہ پر وقف کی صورت میں راسخین فی العلم تشابہ کی

مراد جاننے کے درپے نہیں ہوتے کیونکہ ان کی مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے راسخین فی العلم اس کی مراد اللہ ہی کے سپرد کرتے ہیں۔

متشابہ کے اس مفہوم کی روسے قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں لیکن ان کا تعلق عقیدہ اور اصول دین سے ہے جہاں تک احکام شرعیہ تکلیفیہ کا تعلق ہے ان میں کوئی لفظ متشابہ نہیں ہے کہ جس کی مراد معلوم نہ ہو سکے۔

اس مضمون کی روسے متشابہ کی دو اقسام ہیں ایک وہ جس کے معانی اور مفہوم ہی کا علم نہیں جیسے حروف مقطعات۔

دوسری قسم ان متشابہ الفاظ کی ہے جن کے لغوی معانی تو معلوم ہیں لیکن حقیقی مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ان کی حقیقی مراد لغوی معانی نہیں ہیں جیسے وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے ید، وجہ، عین، استویٰ کا ذکر ہے ان کے لغوی معنی تو معلوم ہیں لیکن ان کی حقیقی مراد راسخین فی العلم اللہ تعالیٰ ہی کو تفویض کرتے ہیں۔

علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"وھذا یقابل المحکم ومثالہ المقطعات فی اوائل السور ومثلہ اثبات رؤیۃ اللہ تعالیٰ بالابصار حقا فی الاخرۃ بنص القرآن بقولہ وجوہ یومئیذ ناظرۃ لانہ موجود بصفۃ الکمال وان یکون مرئیا لنفسہ ولغیرہ من صفات الکمال والمؤمن لا کرامہ بذلک اھل لکن اثبات الجھۃ ممتنع فصار بوصفہ متشابھا فوجب تسلیم المتشابہ علی اعتقاد الحقیۃ فیہ وکذلک اثبات الید والوجھہ حق عندنا معلوم باصلہ متشابہ بوصفہ وان یجوز بابطال الاصل بالعجز عن درک الوصف وانما ضلت المعتزلۃ من ھذا الجھۃ فانھم ردوا الاصول لجھلھم بالصفات فصاروا معطلۃ" (50)

"یہ محکم کے مقابلے میں ہے۔ اس کی مثال سورتوں کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات ہیں اور اس کی مثال آخرت میں آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے حق ہونے کا اس نص قرآنی کے باعث اثبات کرنا ہے وجوہ یومئیذ ناظرۃ (اس دن کچھ چہرے دیکھ رہے ہوں گے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفت کمال کے ساتھ موجود ہے اور وہ اپنی ذات کے لیے اور اپنے غیر کے لیے قابلِ دید ہو گی، اپنی بعض صفاتِ کمال کے ذریعے سے اور مومن اکرام کے باعث دیدار کا اہل ہے، لیکن اللہ کے لیے کسی جہت کا اثبات ممنوع و محال ہے پس اپنے وصف کے باعث یہ متشابہ ہے۔ پس متشابہ کو اللہ کے سپرد کرنا اور اس کے حق ہونے پر اعتقاد واجب ہے۔ اسی طرح ید اور وجہ کا اثبات ہے کہ ہمارے نزدیک اپنی اصل کے اعتبار سے حق ہے اور وصف کے اعتبار سے متشابہ ہے۔ اصل کو اس وجہ سے باطل قرار دینا جائز نہیں کہ وصف کا ادراک ممکن نہیں معتزلہ گمراہ ہوئے اس جہت سے کہ انہوں صفات کی کیفیت سے عدمِ علم کے باعث اصل کا ہی انکار کر دیا اور وہ معطلہ بن گئے۔"

حواشی و حوالہ جات

۱۔ البنانی، مولانا محمد یعقوب، مولوی مسامی، الحاشیہ، پشاور، مکتبہ حقانیہ، س ن، ۱/ ۳۰، ۳۱

۲۔ اصول بزدوی، علی بن محمد، فخر الاسلام، کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، کراچی، امیر محمد کتب خانہ، س۔ن، ۹

۳۔ اصول سرخسی، محمد بن احمد، اصول السرخسی، تحقیق ابو الوفاء افغانی، لاہور، دار المعارف النعمانیہ، طبع اول، ۱۹۸۱ء، ۱/ ۱۸۲

۴۔ بخاری، عبد العزیز بن احمد، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ۱/ ۸۲

۵۔ کشف الاسرار، ۱/ ۸۲

۶۔ صالح، محمد ادیب، تفسیر النصوص، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء، ۱/ ۲۳۱

۷۔ اصول بزدوی، ۷۴

۸۔ اصول سرخسی، ۱۸۳

۹۔ کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ۱/ ۲۱۵

۱۰۔ ملا جیون، شیخ احمد، شرح نور الانوار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ۱/ ۲۱۵

۱۱۔ تفسیر النصوص، ۱/ ۲۴۹

۱۲۔ المائدہ ۵: ۳۸

۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اصول بزدوی 75، 74؛ اصول سرخسی، ۱/ ۱۸۲، ۱۸۳

۱۴۔ اصول بزدوی، ۹

۱۵۔ اصول سرخسی، ۱/ ۱۸۳

۱۶۔ البقرہ ۲: ۲۲۳

۱۷۔ کشف الاسرار، ۱/ ۸۴

۱۸۔ البقرۃ ۲: ۲۲۲

۱۹۔ الدھر ۷۶: ۱۶

۲۰۔ کشف الاسرار، ۱/ ۸۴

۲۱۔ النساء ۴: ۷۹

۲۲۔ النساء ۴: ۷۸

۲۳۔ الاعراف ۷: ۲۸

۲۴۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۱۶

۲۵۔ خلاف، عبد الوہاب، علم اصول الفقہ، کویت، دار القلم، طبع نہم، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰، ص ۱۸۲

۲۶۔ المائدہ۵:۶
۲۷۔ کشف الاسرار،۱/۸۳
۲۸۔ اصول بزدوی،۹۰
۲۹۔ اصول سرخسی،۱/۸۳
۳۰۔ شرح نور الانوار،۱/۲۱۶،۲۱۷
۳۱۔ علم اصول فقہ،۱۷۳
۳۲۔ تفسیر النصوص،۱/۲۷۴،۲۷۳
۳۳۔ اصول بزدوی،۹
۳۴۔ اصول سرخسی،۱/۱۸۳
۳۵۔ کشف الاسرار،۱/۸۲
۳۶۔ المعارج۷۰:۱۹
۳۷۔ المعارج۲۰:۷۰۔۲۱
۳۸۔ اصول سرخسی،۱/۱۸۳
۳۹۔ المنار مع کشف الاسرار،۱/۲۱۹
۴۰۔ النحل۱۶:۴۴
۴۱۔ زمخشری، محمود بن عمر، اساس البلاغہ، بیروت، دار المعرفۃ،۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء،۲۲۸
۴۲۔ جصاص، ابو بکر احمد بن علی، الفصول فی الاصول، دراسۃ و تحقیق ڈاکٹر عجیل جاسم النشمی، کویت، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، طبع اول،۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، ۱/۳۷۳
۴۳۔ الفصول فی الاصول،۱/۳۷۴،۳۷۵
۴۴۔ تعلیقات الفصول فی الاصول،۱/۳۷۵
۴۵۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مطبع علمی لاہور، س ن،۲۷
۴۶۔ اصول بزدوی،۹،۱۰
۴۷۔ کشف الاسرار،۱/۸۷، ۸۸
۴۸۔ اصول سرخسی،۱/۱۸۴
۴۹۔ القرآن۷:۳
۵۰۔ اصول بزدوی،۱۰